ذات پات کی نفسیات اور اسلام (۲)

تحریر: عبدالغفور عاجز

ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان کو دو عالمگیر اور آفاقی بنیادوں پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے۔ ایک وحدتِ الٰہ اور دوسری وحدتِ انسانیت۔ وحدتِ الٰہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو انسان کی غلامی سے اور ہر مخلوق کی غلامی سے نکال کر صرف ایک خدا کی غلامی اختیار کرنے کی دعوت دی جائے۔ ربّ العالمین جو سب کا خالق و مالک اور ربّ ہے، جس کے نزدیک سب انسان، سب قومیں اور سب ملک برابر ہیں، اس کی الوہیت و حاکمیت کا جھنڈا بلند کر کے کائنات کو اس کے نیچے برابری اور کامل مساوات کی بنیاد پر جمع ہو جانے کی دعوت دی جائے۔ آج انسان محدود دائروں اور خود ساختہ حد بندیوں میں محبوس ہے۔ اب اسے ان حد بندیوں سے نکلنے اور وحدتِ آدم کی بنیاد پر جمع ہونے کی دعوت دینا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اسلام کا پیغام یہ ہے کہ سب انسان ایک نسل سے ہیں، پوری انسانیت ایک باپ کی اولاد ہے اور سب مسلمان ایک دوسرے کے اعضاء کی مانند ہیں۔

نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں دوسرے قبائل کے نمائندے اور دوسری سلطنتوں کے وفود آتے تو انہیں پہچاننے میں دِقت ہوتی کہ اس مملکت کا حکمران کون ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر صحابہ نے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا کہ آپ ﷺ اس پر بیٹھا کریں۔ آپؐ نے اسے دیکھا تو غصے سے چہرہ تمتما اٹھا۔ چبوترے کو ٹھوکر مار کر گرا دیا اور فرمایا کہ تم لوگ امتیاز پیدا کرنے لگے ہو جسے مٹانے کے لئے مَیں آیا تھا، تم نے آج مٹی کا چبوترہ بنایا ہے، بعد میں آنے والے اسے تختِ حکومت میں تبدیل کر دیں گے۔ ایک بار جب آپ ﷺ تشریف لائے تو صحابہ تعظیم کے لیے وہ کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ عجمیوں کا دستور ہے، ایسا نہ کیا کرو۔ گویا کہ ہمارے

سے غرور وتکبر اور امتیاز واضح ہوتا ہے جو کہ دین اسلام کی تعلیم نہیں ہے۔

اسلام میں ایک دوسرے سے الگ اور بکھرے ہوئے مسلمانوں کا کوئی تصور نہیں۔ وہ تو ایک دوسرے کو باہم ملا کر ایک ایسا معاشرہ بنانا چاہتا ہے جس میں مسلمان آپس میں اس طرح پیوست ہوں جس طرح ایک جسم کے تمام اعضاء۔ اور یوں دین اسلام کی سب سے نمایاں خوبی آپس کی اخوت اور اتحاد ہے جبکہ کفر کی سب سے نمایاں خرابی آپس کا بغض اور افتراق ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام مؤمنین گویا ایک شخص کی طرح ہیں۔ اگر اس کی ایک آنکھ دکھتی ہے تو اس کا سارا جسم ہی دکھتا ہے' اور اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا سارا جسم دکھتا ہے''۔ (مسلم)

نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے جو دین ہمیں نصیب ہوا ہے وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک کنبہ قرار دیتا ہے اور انہیں اخوت ومحبت کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔ اس کے ہاں رنگ ونسل' قوم ووطن اور زبان وبیان کی کوئی حیثیت نہیں' بلکہ دین اسلام نے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: ((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ)) (بخاری' کتاب المظالم والغصب' باب لا یظلم المسلم المسلم) صحیح مسلم کی روایت ہے میں ان الفاظ کے ساتھ لَا يَحْقِرُهُ کا اضافہ بھی ہے' یعنی وہ اسے حقیر نہیں سمجھتا۔ بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ ایک مسلمان بھائی کو حقیر خیال کرے۔ ((بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ)) (مسلم) قرآن پاک میں یہی تعلیم ان الفاظ میں ہے: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات) ''تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔ حضور اکرم ﷺ نے رنگ ونسل اور حسب ونسب کے فرق کو مٹاتے ہوئے فرمایا کہ: ((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ)) (بخاری' کتاب الادب) ''مسلمان ایک دوسرے سے مل کر دیوار کی طرح مضبوط ہو جاتے ہیں' کیونکہ دیوار کا ایک حصہ دوسرے حصے کے ساتھ مل کر مضبوط

ہو جاتا ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھائیں کہ کس طرح ایک حصّے کو دوسرے سے قوّت ملتی ہے۔

بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ برگزیدہ واعلیٰ انبیاء ہیں۔ جو لوگ اپنے آباء و اجداد کے اعلیٰ حسب ونسب پر فخر کرتے ہیں ان میں سے بعض اپنا سلسلۂ نسب انبیاء و صحابہ تک پہنچنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس نظریئے پر اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں کہ ﴿تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ:۱۳۴) ''یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی۔ اس کا کیا اس کے لئے اور تمہارا کیا تمہارے لئے' اور تم سے ان کے کئے کی بابت نہیں پوچھا جائے گا''۔ گویا کہ اہل جاہلیت اس پر بھی فخر کرتے تھے کہ وہ انبیاء کی نسل میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی غرور کی تردید مذکورہ بالا آیت میں فرمادی۔ حضور اکرم ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ((یَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ ﷺ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئاً)) ''اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! میں تم کو اللہ کی طرف سے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا''۔ اس سے عیاں ہے کہ حسب ونسب میں تقویٰ و پرہیز گاری اور اعمال کام آئیں گے نہ کہ آباء واجداد کے اعلیٰ کارنامے۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جاہلیت کی چار باتیں میری اُمت میں باقی رہ جائیں گی جن کو لوگ نہیں چھوڑیں گے: حسب میں فخر کرنا' نسب میں طعنہ مارنا' ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا' اور نوحہ کرنے والی عورت۔ یہ عورت اگر توبہ کئے بغیر مرگئی تو قیامت کے دن اس حالت میں اٹھائی جائے گی کہ اس کے بدن پر تارکول کا کرتا اور خارش کی قمیض ہوگی''۔ حسب میں فخر یہ ہے کہ اپنے باپ دادا کا نام لے کر فخر کرنا اور نسب میں طعنہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کے آباء واجداد کی حقارت کے لئے ان پر طعنہ مارنا اور ان کے مقابلے میں اپنے آباء واجداد کو فوقیت دینا۔ اسلام نے اس نظریئے کو غلط اور جاہلانہ نظریہ قرار دیا ہے۔ اسلام تعمیر انسانیت چاہتا ہے۔ مثل مشہور

ہے کہ ذاتی شرافت کے مالک بنو' مُردہ پرست مت بنو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اِنَّ الْفَتٰی مَنْ یَقُوْلُ ھَا اَنَاذَا
لَیْسَ الْفَتٰی مَنْ یَقُوْلُ کَانَ اَبِیْ

''بہادر وہ ہے جو خود کو بہادری میں پیش کرے۔ بہادر وہ نہیں جو کہے میرے والد بہادر تھے''۔

اور اس موضوع پر کسی نے کہا ہے کہ ؎

اقول لمن غدا فی کُلِّ یوم یباھینا باسلاف عظام
اَتَقْنَعُ بالعظام وانت تدری بان الکلب یقنع بالعظام

''جو شخص اپنے بزرگوں کا نام لے کر فخر کرتا ہے میں اس سے روزانہ کہتا ہوں کہ تم ہڈیوں پر قناعت کرتے ہو' حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ ہڈیوں پر تو کتے قناعت کرتے ہیں''۔

چنانچہ ذات پات کے پُرخطر اور زہریلے نظریئے کا شرعی آلات سے آپریشن ازحد ضروری ہے' تاکہ معاشرے کا یہ ناسور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ اس کے لئے ہمیں انفرادی' ذاتی اور اناپسندی پر مبنی تمام خواہشاتِ غیر شرعی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنا ہوگا۔ رنگ' نسل' قبیلہ' ذات' برادری' ملک اور قوم کی تفریق محض تعارف کے لئے ہے کہ یہ فلاں ملک کا رہنے والا ہے' یہ فلاں قبیلے کا ہے' تفاضل کے لئے نہیں۔ ان چیزوں کی بناء پر کوئی تعصب' تفریق یا امتیاز پیدا کرنا سراسر غلط ہے اور انسانیت کی توہین اور اسلامی اصولوں سے انحراف کے مترادف ہے۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط﴾ (الحجرات:۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے' اور ہم نے تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے ہیں تاکہ تمہاری باہم پہچان ہو سکے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے''۔

مزید فرمایا:

﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً﴾ (النساء:۱)

''اے لوگو! اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے کثیر تعداد میں مرد و عورت (زمین پر) پھیلا دیئے''۔

حضور اکرم ﷺ نے آخری حج کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ:

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰی وَلَا فَضْلَ لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰی كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ)) (طبرانی)

''کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت حاصل نہیں' اور کسی عجمی کو کسی عربی پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ تم سب آدم سے پیدا ہوئے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

یہی دو بنیادیں (وحدت الٰہ اور وحدتِ آدم) بنی نوع انسان کو قوم پرستی اور طبقاتی جنگ کے بھوت سے نجات دلا سکتی ہیں۔ باقی جو تدابیر بھی اختیار کی جائیں گی وقتی 'عارضی اور محض اوپری ہوں گی۔ ایسی تدبیریں انسان ایک عرصہ سے آزما رہا ہے۔ اگر اسے اپنے مستقبل کا خیال نہیں ہے تو ابھی مزید وہ یہی آزمائش کرتا رہے۔

علامہ اقبال جنہیں علم و ادب کا سرچشمہ قرار دیا جا سکتا ہے' ان کے کلام کے زلالِ شیریں سے تشنگانِ حکمت و آگہی پہلے بھی تسکین پاتے رہے ہیں اور آئندہ بھی اس صدقہ جاریہ کا روز افزوں فیضان علم' تدبر و تفکر اور حقیقت کے متلاشیوں تک پہنچتا رہے گا۔ ذات پات کے بارے میں حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے ایک جگہ اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا ہے کہ :

''کسی قوم کی تاریخ اس کے حافظہ کی مانند ہوتی ہے..... سب جانتے ہیں کہ انسان کی شخصیت کا دارومدار اس کی یادداشت پر ہوتا ہے۔ کوئی انسان اگر اپنی یادداشت ضائع کر بیٹھے تو اسے اپنا نام' مقام' بلکہ کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ گویا وہ یادداشت کے ضائع ہونے سے اپنی شناخت گنوا بیٹھتا ہے۔ کچھ ایسا ہی ہمارے ساتھ ہوا ہے۔ یہ امر جملہ اہل اسلام کو معلوم ہے کہ ہماری تاریخ' ہماری

شناخت اور ہمارا مالہ و ماعلیہ بھی کچھ اسلام ہے۔ اسلام کوئی ذات پات' علاقہ' وطن یا رنگ اور زبان کا نام نہیں' بلکہ وہ نظریۂ حیات اور اساسِ زندگی ہے جو ہمیں پوری دنیا سے ممیّز و ممتاز کرتا ہے۔ مختلف برّ اعظموں' متعدد قوموں' متنوع زبانوں اور گوناگوں رنگوں کو اسلام نے کچھ اس طرح اپنے اندر جذب کیا کہ وہ سارے علاقے' قومیں' زبانیں اور رنگ اسلام میں ڈھل کر مسلمان کہلائے اور یہی ان کی بین الاقوامی شناخت ٹھہری۔''

(شذرات فکر اقبال' مرتبہ جسٹس جاوید اقبال)

آج پاکستان کے خلاف جہاں صہیونیت' ہنود' یہود' اشتراکی' کمیونسٹ عناصر اور اسلام دشمن مغربی عیسائیت کی سازشیں برسرِ پیکار ہیں اور پوری کوشش سے اس خداداد اسلامی مملکت کو کسی نہ کسی انداز میں ختم کرنے پر تلی ہوئی ہیں' وہاں پاکستان کے اندرونِ خانہ بعض امراضِ جان لیوا بھی کسی سازش سے کم نہیں۔ ان میں علاقائی تعصب' لسانی تعصب' صوبائی تعصب' نسلی و خاندانی برتری کا غرور اور نسلی و حسب و نسب کی تحریکیں ہیں جو کہ ایک اسلامی معاشرے کے اندر زہر ہلاہل کی حیثیت سے قطعاً کم نہیں۔

پوری اُمت مسلمہ ایک حیثیت کی مالک ہے اور اسے ایک قوم کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اکابرین' محققین اور محدثین کے علاوہ اصول و ضوابط کے مرتّبین و بانیان نے اس بات کو بزور اور مدلّل انداز میں بیان کیا ہے۔

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے جملہ مسلمانانِ عالَم کی وحدت کے سلسلہ میں کیا خوب فرمایا : ع

جو چاہے کہ خوش ان سے مل کر ہو انساں — تو ہے شرط وہ قوم کا ہو مسلماں
نشاں سجدے کا ہو جبیں پر نمایاں — تشرع میں اس کے نہ ہو کوئی نقصاں

مولانا حالی ایک جگہ مسلمانانِ عالَم کے باہم نسلی و حسبی تعصب میں پڑنے پر افسوس کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں درسِ اخوت و محبت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ع

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے — مصیبت میں یاروں کے غم خوار ہوتے
سب ایک اک کے باہم مددگار ہوتے — عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے

جب الفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم
تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم

حالی نے اپنی مسدس میں قومِ مسلم کو پیغامِ اخوت دیا اور اپنے مخصوص اندازِ بیاں کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ اسلام ہمدردی وغم خواری' ایثار و مروّت' اخوت و محبت' شفقت و رحمت اور مودّت و موانست کا پیامبر ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان مادی' ذاتی اور انفرادی بندشوں سے آزاد ہو کر باہم نیک خو' سنجیدہ' بردبار' صابر' اسلام کے شیدائی اور سادگی پسند ہوں' صوم وصلوٰۃ کا التزام کرنے والے اور خوش اخلاق' پاکیزہ کردار کے مالک' احسن گفتار کے داعی اور اسلامی تعلیماتِ اخوت و محبت کے عامل و عالم ہوں تو کامیابی و کامرانی دُور نہ ہوگی' شادمانی و شادابی قدم چومے گی' ہنود و یہود ہم سے دُور اور ہم نسلی و خاندانی' لسانی و علاقائی تعصّبات سے محفوظ رہیں گے۔ ان ثمرات کے حصول کے لئے ہمیں ذات پات کے بُت توڑنا پڑیں گے۔

دین اسلام نے ہمیں جو اعزازات بخشے ہیں ان کی روشنی میں ہم اگر دیکھیں تو یہ اللہ ربّ العزت کی نعمتیں ہیں۔ اُخوّت و محبت جیسی نعمت کی ہم لوگوں نے کوئی قدر نہ کی اور اپنی اپنی علیحدہ پگڈنڈیوں پر چل دیئے۔ اسلام کہ جس نے آباء واجداد کی کورانہ تقلید و پیروی اور قومی' وطنی' لسانی تعصّبات کے بتوں کو پاش پاش کیا' جس نے بُت پرستی' عقائد باطلہ کے توہمات اور خیالات فاسدہ کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کیا اور جس نے قومی' ملکی اور خاندانی امتیاز پر اپنی شرافت و برتری کی بنیاد رکھنے والوں کو جھنجوڑا اور انہیں اس ہلاکت سے نجات دی' جس نے ہوا و ہوس کے اسیروں کو عقل و خرد کی آزادی کی قدر و قیمت بتا کر انہیں عالی حوصلگی و اولوالعزمی عطا فرمائی' اسلام ہی ان صحیح اصول و ضوابط کا مجموعہ ہے جو بنی آدم کے تمام حقوق ادا کرنے کا جذبہ پیدا کرتا اور انہیں صحیح معنی میں انسان بناتا ہے۔ اور اسلام ہی وہ دین ہے جس پر چلنے والا' خواہ عورت ہو یا مَرد' چھوٹا ہو یا بڑا' گورا ہو یا کالا' اپنے علاقے کا ہو یا اجنبی' وہ ان سب کو بلا امتیاز صحیح معنوں میں منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔

پاکستان کو آج ذات پات کی بے رحم پابندیوں نے زہر آلود کر رکھا ہے۔ ہندو تہذیب سے مستعار لی ہوئی ان نظریاتی اور تصوراتی سرحدوں نے قومِ مسلم کو کئی گروہوں میں بانٹ رکھا ہے۔ مسلمان بھول گئے ہیں کہ وہ ایک مستقل قوم ہیں' نہ کہ مختلف قوموں کا اُمڈتا ہوا سیلاب۔ اور اسلامی معاشرے کو منتشر کرتی ہوئی یہ مصنوعی حسب ونسب پر مبنی پگڈنڈیاں کہیں بھی آپس میں ملنے والی نہیں۔ صحیح اسلامی تعلیمات کی رو سے سب مانتے ہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں' ان کا ایک الگ ضابطۂ حیات ہے اور ان کی معیشت ومعاشرت دوسری اقوام سے منفرد ہے۔ یہی وہ قوم ہے جو اپنے مالک وخالق کی حقیقی نمائندہ ہے۔ دنیا جہاں کی سب سرداری اس کا حق ہے۔ مگر صد حیف کہ مسلمان اپنے آپ کو اُمت واحدہ کی بجائے مسلم قوم کو مصنوعی ذیلی گروپوں' کمپنیوں' ذاتوں اور باتوں میں منقسم کئے بیٹھے ہیں اور اسی میں اپنی فوز وفلاح سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک بار ذات پات کے نظریئے کے حامی ایک جگہ اکٹھے بیٹھے تھے اور ان میں سے ایک شخص بڑے غرور اور فخر سے کہہ رہا تھا کہ ہماری ذات وہ ذات ہے جس پر قرآن اتارا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن تو ھدًی للعالمین اور ذکریٰ للعالمین ہے' دنیا جہان کے بسنے والوں کے لئے قیامت تک ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ یوں ہم اصولِ شریعت سے روگردانی کرتے ہوئے خود کو اس انداز میں معاشرے کا سرخیل ثابت کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے ذاتی تقدس کو مذہبی تقدس پر فوقیت دیتی ہے اور دین اسلام کے اصول وضوابط کو پامال کرتے ہوئے اپنے مصنوعی حسب ونسب اور نسلی امتیازات پر مبنی قوانین کو ترجیح دے کر انہیں اپنا اوڑھنا بچھونا اور کامیابی وکامرانی کے لئے ناگزیر سمجھ بیٹھتی ہے تو پھر وہ قوم دنیا کے نقشے پر نظر نہیں آتی بلکہ رسوائی اس کا مقدر بن جایا کرتی ہے۔

حکم خداوندی ہے کہ ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی رسّی (قرآن وسنّت پر مبنی اصول وضوابط) کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں فرقہ فرقہ نہ بنو''۔ اس کی اگر مزید توضیح وتشریح کی جائے تو یہ بات

روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں دین اسلام میں فرقہ بندی منع ہے وہاں ہر قسم کا فرقہ بننا بھی منع ہے۔ میری مراد مذہبی فرقہ بازی کے علاوہ حسب ونسب، نسلی امتیازات اور ذات پات میں بٹ جانا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی فرقہ بازی ہے۔ اگر مذہبی فرقہ بندی اجتماعیت کو مجروح کرتی ہے تو ذات پات اور نسلی غرور وتکبر اس سے بڑھ کر بڑا زہر ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم فرماتے ہیں کہ:

''قرآن حکیم ظہور شریعت ونزولِ وحی کا پہلا نتیجہ یہ قرار دیتا ہے کہ اجتماع و ائتلاف پیدا ہو اور بار بار کہتا ہے کہ تفرقہ وانتشار شریعت ووحی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے..... اور اس بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامی زندگی کا دوسرا نام جماعت رکھا ہے اور جماعت سے علیحدگی کو جاہلیت اور حیاتِ جاہلی سے تعبیر کیا ہے..... یہ اس لئے ہے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں، ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے اور فرد کا وجود اور اعمال بھی صرف اسی لئے ہیں کہ ان کے اجتماع وتالیف سے ہیئت اجتماعیہ پیدا ہو..... سو ان تمام تصریحات میں بھی اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اسلام کی قومیت متفرق اینٹوں کا نام نہیں ہے، دیوار کا نام ہے۔ الگ الگ کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ ہے تو اجتماعی وجود ہے۔ یعنی دیوار کا ایک ایک جزو ہے۔ اور انہی اجزاء کے ملنے سے دیوار متشکل ہوتی ہے..... پس جاہلیت کا دوسرا نام تفرقہ ہوا اور اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت''۔ (مسئلہ خلافت، صفحہ ۱۵ تا ۴۱)

مفکر اسلام علامہ اقبال کی زندگی کا بڑا حصہ اسی اضطراب میں گزرا کہ ملت کو کس طرح متحد کیا جائے۔ وہ رنگ ونسل کی تمیز کو آدم کشی کے مترادف سمجھتے تھے، بلکہ رنگ کی تمیز کو اقبال بُت پرستی قرار دیتے ہیں۔ اقبال اس تصورِ قومیت کو جو وطن، نسل اور رنگ کے امتیاز پر استوار ہے ''بُت نا ارجمند'' قرار دیتے ہوئے اسے مشرکانہ اور مادہ پرستانہ تصور قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

اسلام کا مقصد ملت اسلامیہ کی ایک ایسی عالمگیر برادری کی تشکیل ہے جو زمان و مکان اور رنگ و بو کے تمام امتیازات سے بالاتر ہو۔ اسلام میں قومیت کا واضح تصور اسلامی نظریۂ ملت میں پایا جاتا ہے۔ مسلم ملت کسی مادّی مفادات کے حصول کی خاطر ایک عالمگیر رشتے میں منسلک نہیں ہے اور نہ ہی اشتراکِ زبان مسلمانوں کو ایک الگ گروہ میں منظّم کرتا ہے۔ تمام مسلمانوں کو توحید یعنی خدائے واحد پر ایمان کا عظیم روحانی بندھن ایک وحدت بناتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مسلمان مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہوں یا وہ مختلف علاقوں کے رہائشی ہوں' ہر مؤمن اسلام کی نظر میں ملت اسلامیہ کے وجود کا جزو لاینفک ہے۔

اسلام کے نظریۂ ملت میں قوم اور قومیت کی جداگانہ حیثیتوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ مسلمانوں کی خواہ اپنی الگ سیاسی تنظیم ہو یا وہ کسی غیر قوم کے سیاسی غلبہ کے تحت محکومی کی زندگی بسر کر رہے ہوں' وہ آزادی کے لئے کوشاں ہوں یا نہ ہوں' ان تمام باتوں کے باوجود وہ ایک عظیم بندھن میں منسلک ہیں۔ اقبال اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ وطن سے محبت ایک فطری جذبہ ہے' مگر یہ جذبہ اگر اس حد تک بڑھ جائے کہ وہ ایمان کا جزو بن کر مسلمانوں کے مذہبی عقائد پر مسلط ہو جائے تو وطن سے ایسا والہانہ لگاؤ علامہ کے نزدیک ملت کے عالمی تصور کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں ؎

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوّت میں وطن اور ہی کچھ ہے!

حضور اکرم ﷺ نے مکّہ سے ہجرت فرما کر انسانی رشتوں کو استوار کرنے کے لئے

ایک نئی اور وسیع تر اساس فراہم کی اور مسلمانوں کو ایک روحانی بندھن میں منسلک کر دیا' ایسا بندھن جو تمام علاقائی' نسلی اور لسانی امتیازات سے بالا تھا اور جس کی بناء پر مسلمانوں نے ایک ایسا گروہ منظم کیا جو کہ ایک جسم کی مانند تھا اور جس میں خونی رشتوں کو بھی اس عظیم روحانی رشتہ سے کم تر حیثیت حاصل ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ میدانِ بدر میں مسلمانوں نے خود اپنے ان قرابت داروں کے خلاف تلوار اٹھائی جو اسلام کے دشمن تھے۔

اسلام چونکہ انسان کی حریت و مساوات کا علمبردار ہے اس لئے وہ ہر ایسے نظام کو راستے سے ہٹا دینا چاہتا ہے جو انسان کو انسان کا غلام بنائے یا جو انسانیت کی تقسیم کرے۔ تمام جاہلی (غیر اسلامی) نظریات اور نظام ان ہی نظریات پر قائم ہوتے ہیں۔ بادشاہت کا نظام ہو یا آمریت کا' قومیت کا ہو یا وطنیت کا' نسلی امتیاز کا ہو یا گروہی اور طبقاتی حد بندیوں کا' یہ سب انسان کو انسان کا غلام بناتے ہیں۔ اسلام ان سب کو ملیامیٹ کر کے صرف خدا کی غلامی کا نظام قائم کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد لا الٰہ الا اللہ پر ہے۔

جنگ قادسیہ میں اسلامی لشکر کے وفد نے فارسی سپہ سالارِ افواج رستم کو جو جواب دیا تھا اس سے جہاد کی اصل حقیقت اور اسلامی تحریک میں اس کے مقام پر روشنی پڑتی ہے۔ اور دوسری طرف بلا امتیاز رنگ و نسل انسان کی حریت و مساوات کی دلیل مہیا ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ:

> ''ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ہم انسان کو اپنے جیسے انسانوں کی غلامی سے نکال کر صرف خدائے واحد کی بندگی کی طرف لائیں' دنیا کی تنگی سے نکال کر انہیں دنیا کی فراخی سے بہرہ ور کریں' اور انہیں ادیان و مذاہب کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلامی عدل سے ہمکنار کریں۔''

اسلام کے اجتماعی عدل و مساوات اور انسانی بنیادی حقوق پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ انسان کو جو حقوق عطا کئے گئے ہیں ایک جیسے ہیں۔ مثلاً جان کی حرمت کا حق' عزت و ناموس کا تحفظ' معذوروں اور کمزوروں کا تحفظ' معاشی تحفظ' عدل و انصاف' نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون کا حق' حق

مساوات' سیاسی کارفرمائی میں شرکت کا حق' آزادی کا تحفظ' ملکیت کا تحفظ' عورتوں کی عزت و ناموس کا تحفظ' نجی زندگی کا تحفظ' ظلم و زیادتی کے خلاف احتجاج اور چارہ جوئی کا حق' اظہارِ رائے کی آزادی کا حق' آزادیٔ ضمیر و عقیدہ کا حق' مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق' آزادیٔ اجتماع کا حق' دوسروں کے اعمال سے بریٔ الذمہ ہونے کا حق' محض شکوک و شبہات پر کوئی کارروائی نہ کئے جانے کا حق۔ یہی حقوق امیر کے ہیں اور غریب کے بھی' کمزور انسان کے بھی اور طاقتور کے بھی۔ رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر یہ حقوق حاصل ہیں تو حسب و نسب کا غرور و تکبر کیسا!

اسلام نے انسانوں پر سب سے بڑا احسان یہ کیا ہے کہ اس نے ہر قسم کے نسلی تفاخر' تعصّبات اور امتیازات کو بالائے طاق رکھ کر نظریاتی بنیادوں پر عالمگیر انسانیت کے قیام کی دعوت دی ہے اور سرمایہ داروں' حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں کی لوگوں کے قلب و ذہن پر اجارہ داری کو ختم کر کے صرف قانونِ خداوندی کی اتباع میں عدلِ اجتماعی کو اپنانے کی طرف راغب کیا ہے۔ اسلام کی اس عالمگیر تعلیم کا عملی نمونہ آنحضور ﷺ کی ذاتِ بابرکات تھی۔ آپؐ کے اس کردارِ عظیم کی جھلک صحاحِ ستہ میں جگہ جگہ ملتی ہے۔

قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے کہ: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ...﴾ یعنی ''تمام بنی نوعِ انسان کو ہم نے (یکساں طور پر) واجب التکریم بنایا ہے''۔ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ....﴾ ''اللہ ربّ العزت کے نزدیک واجب التکریم وہی ہے جس نے تقویٰ کو اپنا شعار بنایا ہو''۔ ان احکاماتِ خداوندی کی عملی تفسیر پیش کرتے ہوئے نسلی تفاخر و امتیاز مٹانے والے (ﷺ) نے فرمایا کہ ''اگر تم پر کوئی ایسا حبشی غلام بھی جس کا سر کشمش کی طرح چھوٹا ہو' امیر بنا دیا جائے' تو جب تک وہ کتاب اللہ اور سنّت کے مطابق نظام چلائے اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو''۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ نے تو انسانوں کے گلے سے انسانوں کی غلامی کے طوق اتار دیئے تھے' ظلم و استبداد کا خاتمہ کر دیا تھا' نسلی امتیازات' جاگیرداریت' سرمایہ داریت' مذہبی

پیشوائیت اور ملوکیت کے تمام آثار مٹا ڈالے تھے' لوگوں کو ان گروہوں کی جکڑ بندیوں سے آزادی دلوائی تھی' لیکن یہ گروہ گہری سازش کے ذریعے بیچاری انسانیت پر پھر مسلط ہو گئے اور انسانیت کو مختلف حیلوں اور استبدادی ہتھکنڈوں کے ذریعے ہراساں کر کے اس کا خون چوسنے لگے۔ آپ ﷺ نے حسب ونسب کے یہ بُت پاش پاش کئے تھے۔

دین اسلام کے عظیم مفکر' دانشور اور ترجمان علامہ اقبال نے ہندوستان میں مسلم قوم کی قریباً ہزار سالہ معاشرتی و معاشی زندگی کا بغور مطالعہ کیا اور جائزہ لیا' فرد و ملت کے رجحانات و جذبات کا بخوبی تجزیہ کرنے کے بعد اس مقامِ احساسِ ملت پر پہنچے کہ اس کا تذکرہ خطبہ الٰہ آباد میں کیا۔ انہوں نے فرمایا:

''میں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصّہ اسلام اور اسلامی فقہ و سیاست' تہذیب و تمدن اور ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا...''

اسلامی نظامِ حیات کا مقصد انسان میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تخلیق ہے جس وجہ سے یہ دین فطرت انسان کی معاشرتی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا مقصد جہاں گروہی' نسلی اور علاقائی امتیازات و تعصّبات کی نفی کرنا ہے وہاں افرادِ معاشرہ میں ایسے فضائل پیدا کرنا ہے جن کے مجموعی تاثر کو بلاشبہ و بلاخوفِ تردید اس معاشرے کا تشخص کہا جاسکتا ہے۔ اقبال اس سلسلے میں کہتے ہیں:

''ہماری قوم کا اصل اصول نہ اشتراکِ زبان ہے نہ اشتراکِ وطن ہے' نہ اشتراکِ اغراضِ اقتصادی' بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو جناب رسالت مآب ﷺ نے قائم فرمائی تھی' اس لئے شریک ہیں کہ مظاہرِ کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے.... اسلام تمام مادی قیود سے بے زاری ظاہر کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دارومدار ایک خالص تہذیبی تصور پر ہے جس کی تجسیمی شکل میں وہ جماعت افراد ہے جس میں بڑھنے اور پھیلتے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے''۔ (بزمِ اقبال لاہور' ۱۹۹۴ء' ص ۱۴)

ذات پات کی نفسیات پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہم

احساساتی اور اعتقادی سطح پر آج سے صدیوں پیچھے ہیں۔ پاکستانی معاشرہ جہاں بہت سی داخلی الجھنوں کا شکار ہے وہاں ذات پات کا اندھیر ابھی اس معاشرے کی بدنصیبی کے مترادف ہو کر رہ گیا ہے۔ ذات پات کی معاشرتی الجھن ایک ناسور کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ ذات پات کی نمود و نمائش سے اپنا معیارِ زندگی بلند سمجھنے والے بدترین خوش فہمی میں زندگی کا سفر کر رہے ہیں۔ یہ الجھن انہیں قدم قدم پر محسوس ہوتی ہے مگر وہ مجبور ہیں اپنی انا کے ہاتھوں، رسم و رواج کے ہاتھوں اور خاندانی قبائے ذات کے لیبل کے ہاتھوں۔ ذات پات کا تعلق انسان کی قبائلی زندگی سے ہے۔ پھر یہ فرد اور قبیلے کی شناخت کا ایک ذریعہ بھی رہا ہے، مگر امتدادِ زمانہ سے جب انسان نے ایک معاشرے کی تشکیل کی تو شناخت کا یہ حوالہ اپنی صورت تبدیل کر گیا۔ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ذات پات اور کنیت کا رواج ایشیائی اور افریقی ممالک میں ہے۔

۱۸۸۰ء میں زیترن ایبرٹن نامی ایک انگریز افسر نے بڑی محنت سے ایک رپورٹ تیار کی جس میں اس نے برصغیر کی ۴۸۱ ذاتوں کے کوائف کا ذکر کیا ہے۔ برصغیر میں ذات پات کی بنیاد پر معاشرتی تقسیم ہندوانہ مذہب سے متوارث ہندو معاشرے میں مذہب اور پیشے کی بنیادوں پر کی گئی۔ اس ہندوانہ ذہن کا مقصد معاشرے کے مختلف طبقوں کو ایک دوسرے سے الگ تھلگ رکھنا تھا جس میں وہ نہ صرف کامیاب ہوا بلکہ آج بھی ہندو ذہنیت ہمارے معاشرے کے اندر قائم اور رائج ہے۔ آج خصوصاً پاکستان میں جو مسلم معاشرے میں ذات پات کے حوالے سے شناخت کرائی جاتی ہے وہ بلاشبہ ہندو تہذیب کے اثر کا نتیجہ ہے۔ ہم نے اسلام قبول کرنے کے باوجود اپنے قبائلی شجرۂ نسب کو خود سے الگ نہیں کیا۔ زندگی کے اہم معاملات میں اب بھی ہم ذات پات کے اس ہندوانہ تصور کو بنیاد بناتے ہیں۔

اس سلسلے میں اگر تحقیق کی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ذات کی ایک قسم باہر سے ہجرت کے ذریعے آئی ہے۔ ذات کی دوسری قسم مقامی ذاتیں ہیں جو آج بھی ہندو، مسلم اور سکھوں میں کافی حد تک مشترک ہیں۔ ذات کی تیسری اور اہم قسم پیشے کے

اعتبار سے ہم نے اپنے اوپر مسلط کی ہوئی ہے اور وہ بھی اصول سے ہٹ کر۔ وہ اس لئے کہ ہمارے یہاں موچی، ترکھان، جولاہا کے پیشوں کو نہ صرف ذاتوں میں شمار کیا جاتا ہے بلکہ ان کو معاشرے کے نچلے درجہ (درجہ چہارم) کے لوگ تک کہا جاتا ہے۔ جب کوئی ذات پات کی نفسیات میں دُور نکل جانے والا کسی کی تحقیر کرنا چاہتا ہے تو وہ نفرت انگیز لہجے میں اسے موچی، ترکھان، لوہار، جولاہا وغیرہ کے الفاظ سے پکارتا ہے۔ لیکن پیشہ کے اعتبار سے اگر کسی قوم کا آدمی کلرک لگ جائے یا ڈپٹی سیکرٹری تو ہم کبھی یہ نہیں کہتے کہ وہ ذات کا کلرک، سیکشن آفیسر یا ڈپٹی سیکریٹری ہے۔ یہ ذات پات کی اس تیسری اور اہم قسم کے اپنے اصول سے بھی متضاد و متفاوت ہے جو کہ معاشرتی ہم آہنگی، اتحاد و اتفاق اور مساوات اور حقوقِ انسانیت کے خلاف بات ہے اور معاشرتی ہم آہنگی کو ختم کرنے کا عمل ہے۔ یہ بات ایک دوسرے سے یگانگت اور اعتماد کو رد کرنے کے مترادف ہے۔ ہم قبائلی یگانگت کو اجاگر کر کے معاشرتی اور ذہنی ترقی کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے، جس کا نتیجہ معاشرے میں بیگانگی کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ ہم ذات پات کی لعنت میں ملوث ہو کر متحارب گروہوں میں تقسیم ہونا پسند کرتے ہیں مگر ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ یہ ذاتی اور گروہی تشخص ایک غیر عقلی رویہ ہے جو گروہ کو تو بلاشبہ کسی حد تک مضبوط کرتا ہے مگر دین اسلام اور تعلیماتِ اسلامیہ کے خلاف ہے۔ ان ذاتوں کی سطح پر زندگی بسر کرنے کا یہ افلاطونی اسلوب معاشرے کی یکجہتی، اتحاد اور اتفاق میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ ایک انسان حقیقت میں اپنے عمل اور زندگی میں اپنے انتخاب کے ذریعے اپنی زندگی بناتا ہوا اپنے اخلاق و کردار میں وہ انفرادی امتیاز حاصل کرتا ہے جس کا تعلق اس کی ذاتی صلاحیت و کاوش سے ہوتا ہے۔ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ صرف اور صرف ذات پات کی بنا پر تشخص قائم کرنا اور خود کو معیاری ثابت کرنا ایک طرح کی جہالت اور پس ماندگی کے مترادف ہے۔

تاریخ ان لوگوں کو بھی یاد رکھتی ہے جو اچھے کام کرتے ہیں۔ اچھے کام کرنے والوں کا نام سنہری حروف کی صورت میں تاریخ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے کندہ ہو جاتا

ہے اور دوسری طرف تاریخ بُرے لوگوں کو بھی فراموش نہیں کرتی' بلکہ ان کے بُرے اعمال کو اپنے دامن میں یوں سمیٹ لیتی ہے کہ آنے والی قوموں کو ان کے نتائج سے آگاہ کر سکے۔ معروف شخصیات اور مشاہیر کے حالات زندگی کا وہ پہلو آپ دیکھ لیجئے جو ان کی وجہ تشہیر بنا۔ کسی بھی شخصیت کو اس کے نسلی تفاخر نے دوام اور تاریخی حیثیت نہیں بخشی۔ جو بھی مشتہر و معروف ہوا اپنے کردار اور محنت کی بدولت حسب ونسب اور ذات پات کی بندشوں سے آزاد ہو کر ہوا۔

قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں بھی ان کے اچھے اور بُرے اعمال سے بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اچھے اور پائیدار فیصلے کرنی والی قومیں روئے زمین پر اپنے وجود کو تسلیم کروالیتی ہیں جبکہ بُرے اعمال اور کردار کا مظاہرہ کرنے والی قومیں نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔ اچھے بُرے اعمال ہی اعلیٰ اور ادنیٰ ہونے کی دلیل ہیں۔ اعمال خواہ قوموں کے ہوں یا افراد کے' یہ ایک مستند ذریعہ ہیں جو حسب ونسب کے سوا بھی فرد یا قوم کو اعلیٰ درجہ تک پہنچاتے ہیں۔ اس لئے یہ بات کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کسی مقام و مرتبہ یا درجہ کو پانے کے لئے اعلیٰ حسب ونسل کا ہونا ضروری نہیں ہے۔